رشید احمد صدیقی کے غیر مطبوعہ خطوط بنام محمد طفیل: ایک تعارف

ڈاکٹر سیدہ مصباح رضوی، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

Abstract

In this article, Rasheed Ahmad Sidiqui's letters to Muhammad Tufail has been discussed. These letters are unpublished. Rasheed Ahmad Sidiqui is a prominant prose writer and Muhammad Tufail has known as sketch writer and specially Editor Naqoosh.

رشید احمد صدیقی کا نام اور کام اُردو ادب میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ اعلیٰ درجے کے ادیب اور ممتاز معلم ہونے کے علاوہ علی گڑھ کی تہذیب کے معتبر نمائندے کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ان کی تحریر کی گہرائی، تہہ داری، فکر انگیزی اور خوش بیانی ہر موضوع اور ہر صنف میں برقرار رہتی ہے۔ ان کی بظاہر سادہ دکھائی دینے والی تحریر اپنے اندر اشارات، تصرفات، تحریفات اور زعفران زار جملوں کا خزانہ لیے ہوئے ہوتی ہے۔ انداز بیان کی یہ پُر فریب سادگی ان کے خطوط کا بھی خاصا ہے۔ رشید احمد صدیقی کے خطوط اردو مکتوب نگاری کی روایت میں جاندار اضافہ ہیں۔ ان کے اسلوب پر غالبؔ کے اسلوب کا عکس واضح دکھائی دیتا ہے۔ معروف غالب شناس مولانا عرشی رشید احمد صدیقی کے اسلوب کی اس خوبی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''ان کے قلم برداشتہ خطوط میں بھی ان کا جاندار اور منفرد اسلوب اسی طرح موجود ہے جیسا ان کی باقاعدہ تحریروں میں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ خوبی اور خصوصیت غالبؔ کے بعد صرف انہی کے حصے میں آئی ہے۔''[۱]

اسی لیے رشید احمد صدیقی کے خطوط فقط معلومات کے حصول کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ انشا پردازی کا بہترین نمونہ بھی ہیں، جس سے قاری اپنے ظرف، صلاحیت اور ذوق کے مطابق مستفید ہوتا چلا جاتا ہے۔ رشید احمد صدیقی کم گو اور کم آمیز شخصیت کے مالک تھے، مگر سینکڑوں اہل علم ان کے حلقہ ارادت میں شامل تھے، جن سے وہ خطوں کے ذریعے رابطے میں رہتے تھے، اور ان کو وہ محبت یا ضرورت کے تحت خط لکھا کرتے تھے۔ ان کے نزدیک خط لکھنا ایک رسمی ذمہ داری نہیں تھی بلکہ وہ خاصی توجہ اور شوق سے خط لکھتے اور خطوں کا جواب دیتے تھے۔ وہ بات سے بات پیدا کرنے کے فن سے بخوبی واقف تھے، اسی لیے ان کے ہاں کہیں بھی غیر فطری یا بناوٹی رنگ نظر نہیں آتا۔ انہیں لکھنے کے لیے سوچنا نہیں پڑتا تھا۔ مزے مزے کے جملے اور فقرے ان کے قلم سے پھسل پھسل جاتے تھے اور لاجواب ادب

پارے تخلیق پاتے تھے۔بہترین خط یقیناً ارادتاً نہیں لکھا جاسکتا۔ یہ فی البدیع تحریر مکتوب نگار کے علم اور ذوق کی عکاس ہوتی ہے۔رشید احمد صدیقی خطوط نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''خطوط کا معاملہ عشق و محبت کا ہے۔جس طور پر محبت ہو جاتی ہے اسی طور پر خط بھی لکھ جاتا ہے لکھا نہیں جاتا۔محبت کے دیوتا کی طرح خط دیوتا بھی اندھا ہوتا ہے''۲

رشید احمد صدیقیکو خطوط نویسی سے جس قدر رغبت اور لگاؤ تھا اسی قدر وہ خطوط کی اشاعت کی خلاف بھی تھے ۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ڈاکٹر سلیمان اطہر ان کے خطوط کو شائع کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے نہایت برہمی کا اظہار کیا۔انھوں نے اپنے ملنے جلنے والوں اور اعزا و اقربا کو خط لکھ کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور سختی سے منع کیا کہ ان کے خطوط کسی طور بھی چھپنے کے لیے نہ دیے جائیں بلکہ خط پڑھنے کے بعد انہیں تلف کر دیا جائے۔

اپنے بیٹے اقبال صدیقی کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

''تم میرے خط محفوظ رکھتے ہو۔میں سب کو لکھتا رہتا ہوں اور اصرار کرتا ہوں کہ میرے خط تلف کر دیا کرو۔ایسا نہ کروگے تو مجھے تکلیف ہوگی۔''۳

رشید احمد صدیقی کے اس اصرار اور تاکید کے باعث بہت سے خط تلف ہو گئے۔رشید احمد صدیقی خط شائع کرنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ان کے خیال میں یہ بات کسی کی خلوت گاہ میں جھانکنے کے مترادف ہے۔ان خطوط سے اسکینڈل تراشے جاسکتے ہیں جو کہ مکتوب نگار کی زندگی اور شخصیت دونوں کے لیے ضرر رساں ہو سکتے ہیں۔مگر اس کے باوجود رشید احمد صدیقی کے خطوط کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ان کے خطوط کا پہلا مجموعہ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا۔ بعد ازاں سلیمان اطہر جاوید، پروفیسر مسعود حسین،لطیف الزماں اور آل احمد سرور وغیرہ کے مرتب کردہ مجموعے بھی شائع ہوئے اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔

رشید احمد صدیقی کے خدشات اپنی جگہ مگر ان کے خطوط نے دامن ادب کو شگفتہ تحریر کے بہترین نمونوں سے نوازا ہے۔انہی خطوط کی مدد سے رشید احمد صدیقی کی زندگی،مصروفیات، پسند و ناپسند،افکار،عقائد اور نظریات وغیرہ پر تفصیل سے معلومات ملتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ خطوط دامنِ ادب میں بہترین اور قیمتی اضافہ ہیں۔محمد عرفان ظفر لکھتے ہیں:

''بہت سے خطوط ایسے ہیں جو پس پردہ ہیں شاید وہ بھی کبھی منظر عام پر لائے جائیں گے تو اردو ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہوگا''۴

رشید احمد صدیقی کے ایسے ہی پسِ پردہ اور غیر مطبوعہ خطوط کا ایک ذخیرہ ''ذخیرہ نقوش'' کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔جس میں زیادہ تر خطوط محمد طفیل کے نام ہیں ۔جبکہ چند ایک خطوط غوث، بزمی چڑیا کوٹی،اور سید علی احسن وغیرہ کے نام بھی ہیں۔محمد طفیل صاحب لاہور کے ایک نامور رسالے ''نقوش'' کے مدیر تھے۔وہ صاحب علم بھی تھے اور صاحب نظر بھی۔ان کے ناقدانہ مزاج کی بدولت ''نقوش'' نے اعلیٰ قسم کے پرچے شائع کیے جو ادب میں مستند حوالے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کے کام کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ انہیں ادیبوں، شاعروں اور نقادوں سے

رابطے میں رہنا پڑتا تھا۔ رشید احمد صدیقی کے ساتھ بھی ان کی خط خطابت کا ایک طویل سلسلہ قائم رہا۔ رشید احمد صدیقی نے طفیل صاحب کے نام جو خط لکھے زیادہ تر ان کا موضوع ''نقوش'' ہی رہا۔ یہ خط کارڈ پر بھی لکھے گئے اور صفحات پر بھی۔ مختصر اور طویل دونوں طرح کے خطوط لکھے گئے۔ کئی خطوں پر اختتامیہ کلمات کے بعد یاد آنے والی باتوں کو آڑھا ترچھا حاشیوں کی صورت میں لکھا گیا۔ گو کہ یہ خطوط ایک مدیر کے نام تھے مگر اس کے باوجود اپنائیت کے گہرے رشتے اور اسلوب کی نیرنگیوں نے ان خطوط کو رسمی نہیں رہنے دیا۔ خطوط کے مطالعے سے کئی دلچسپ معلومات سامنے آتی ہیں جن کی مدد سے مکتوب نگار کے مزاج، شخصیت اور تنقیدی آرا کا ایک خاکہ بنتا چلا جاتا ہے۔

رشید احمد صدیقی خط کی ابتدا میں پتا اور تاریخ لکھنے کا بالعموم اہتمام کرتے تھے۔ لیکن چند ایک خطوط پر تاریخ کا اندراج نہیں ہے۔ اکثر خطوں میں طفیل صاحب کا نام لکھے بنا مشفقی، محبی، محترمی، عزیز گرامی لکھ کر گفتگو کا آغاز کر دیا گیا لیکن چند ایک خطوں میں نام لے کر بھی مخاطب کیا گیا ہے۔ جیسے طفیل صاحب مکرم، طفیل صاحب محترم وغیرہ۔ اس کے بعد سلام اور آداب تحریر کرتے۔ طفیل صاحب کو آداب میں بالعموم تسلیم، آداب، سلام شوق، سلام مسنون، آداب و نیاز اور سلام و رحمت لکھتے۔ ایک آدھ خط پر فقط ''علی گڑھ'' لکھ کر ہی بات شروع کر دی۔ ابتدا کی طرح خط کے اختتامیہ کے لیے بھی ایک سے زیادہ الفاظ کا انتخاب کیا۔ مثال کے طور پر خیر طلب، نیاز مند، خاکسار، آپ کا دعا گو، خدا حافظ، مخلص، اور کہیں فقط رشید احمد صدیقی لکھا ہے۔ لیکن زیادہ تر ''خیر طلب'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ خطوط میں کئی موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے مگر تین چار موضوعات بطور خاص نمایاں نظر آتے ہیں۔ مثلاً نقوش کے ملنے پر محمد طفیل کا شکریہ ادا کرنا۔ رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> '''' ''نقوش'' بھیج کر آپ مجھ پر احسان کرتے ہیں اور میری توقیر بڑھاتے ہیں۔۔۔۔۔آپ یقین مانیں اردو رسائل کے ایڈیٹروں کے اس احسان نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔۔۔۔۔آپ مجھ سے کتنے ہی مایوس یا مشتعل کیوں نہ ہوں رسالہ ضرور بھیج دیتے ہیں۔'' ۵

رشید احمد صدیقی بیشتر خطوں میں ''نقوش'' کے ملنے کی اطلاع دیتے ہیں اور ہر بار نئے اور لطیف انداز میں شکریہ بھی ادا کرتے ہیں۔ مگر رشید احمد صدیقی کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ کسی رسالے کا شکریہ ادا کرنا بھول گئے۔ محمد طفیل نے جب اس طرف اشارہ کیا تو جواب میں یوں لکھا کہ:

> ''آپ کے یاد دلانے سے اپنی فروگزاشت یاد آئیں کہ نقوش کے مکاتیب نمبر کی ۔۔۔۔۔ جلدوں ۔۔۔۔۔۔کا میں نے شکریہ نہیں ادا کیا۔ کیا واقعی نہیں کیا؟ یقین نہیں آیا اس لیے کہ اس طرح کی نالائقی سہواً بھی ذرا کم ہی کرتا ہوں۔'' ۶

رشید احمد صدیقی کے اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ شکریہ محض رسماً ادا نہیں کرتے تھے بلکہ یہ بات ان کے مزاج کا حصہ تھی۔

رشید احمد صدیقی کی جانب سے رسالے کی تعریف یا کسی رسالے کا شکریہ ادا کرنا طفیل صاحب کے لیے

اس بات کی رسید تھی کہ انہیں رسالہ موصول ہو گیا۔ اسی سبب محمد طفیل، رشید احمد صدیقی کے جواب اور شکریے کے منتظر رہتے تھے۔ رشید احمد صدیقی کے خطوط میں رسالے کے وصول پانے کا شکریہ، نـــقـــوش کے مضامین کی تعریف اور رسالے کی کامیابی کی دعائیں جا بجا ملتی ہیں۔ ان کے خطوط سے چند جملے ملاحظہ ہوں:

''نقوش بڑا اچھا رسالہ ہے اسے دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہو جاتی ہے۔'' ۷

''نقوش کا ہر پرچہ بڑا دیدہ زیب اور اتنا ہی قابل قدر ہوتا ہے۔ یہ میری ہی نہیں، مجھ سے بہتر لوگ بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔'' ۸

''خاص نمبر شائع کرنے میں شاید آپ کا کوئی ہمسر نہیں۔'' ۹

''نقوش کا شخصیات نمبر (۲) موصول ہوا۔ آپ کے حوصلہ اور محنت کی داد دیتا ہوں۔۔۔۔۔ اردو رسائل میں شاید نقوش کے علاوہ کسی اور نے اتنا بڑا اور اتنا اہم کام اب تک انجام نہیں دیا تھا۔'' ۱۰

''کئی دن ہوئے جون نمبر بھی موصول ہوا، حسب معمول ہر اعتبار سے قابل تعریف، تہنیت گزار ہوں'' ۱۱

یہ تعریف بھی ہے شاباش بھی اور آئندہ کام کرتے رہنے کا حوصلہ بھی۔ ہر جگہ تعریف کرنے کا انداز جدا دکھائی دیتا ہے جو بات کو رسمی نہیں بننے دیتا۔ رشید احمد صدیقی رسالہ نـــقـــوش کا نہایت دلچسپی اور شوق سے مطالعہ کرتے تھے۔ رسالے کی ان خوبیوں کا بطور خاص ذکر کرتے جو مدیر کی محنت اور رسالے کی انفرادیت کا سبب بنتیں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ نقوش شخصیات نمبر کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ اس میں غیر معروف لکھنے والوں کی خدمات کا بھی ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو:

''جن کے نام تو میں نے سنے تھے لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ اردو کی توسیع و ترقی میں ان کا اتنا قیمتی حصہ ہے۔'' ۱۲

محمد طفیل مسلسل کوشش اور اصرار کیا کرتے تھے کہ رشید احمد صدیقی رسالہ ''نقوش'' کے لیے اپنی تازہ تحریریں ارسال کریں لیکن رشید احمد صدیقی کے اکثر خطوں میں اس حوالے سے معذرت ملتی ہے۔ کئی بار وہ اس کے لیے لطیف جواز مہیا کرتے ہیں اور کبھی اپنی بیماری اور بے دلی کو وجہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہر جواز خلوص اور سچائی سے لبریز نظر آتا ہے اور اس پر ان کا منفرد اسلوب بیان کہ بات سیدھی دل میں اتر جائے۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

''کوئی شاعر یا لکھنے والا ایسا نہیں جو یہ نہ چاہتا ہو کہ اس کی لکھی ہوئی چیزیں مسلسل شائع ہوتی رہیں۔ میں خود یہ چاہتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ لکھوں اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو۔ لیکن لکھ نہیں پاتا۔ کتنی اور نامعقول حرکتیں ہیں جن کو کرنا چاہتا ہوں لیکن کر نہیں پاتا۔ اسے میری بڑائی یا بد دماغی پر محمول نہ کیجیے۔ اس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی ہے۔'' ۱۳

''میں نے یقیناً وعدہ کیا تھا کہ کبھی کوئی چیز ہو گی تو حاضر کر دوں گا۔ لیکن ایسا ہو نہ سکا۔ جس کے لیے

شرمندہ ہوں اس طرح کی شرمندگی کا اظہار ہر لکھنے والا کرتا رہتا ہے۔لیکن کیا کروں عذر صحیح ہو یا غلط کیا اسی طرح کیا جاتا ہے۔''۱۴

''لیکن آپ یقین مانیے اپنے علاوہ جس شریف آدمی کو پاتا ہوں اس سے کہتا ضرور ہوں کہ وہ نقوش کے لیے کچھ لکھ دے۔'' ۱۵

''طنز و مزاح نمبر کے لیے لکھنے کا وعدہ کیسے کروں جبکہ جانتا ہوں کہ مجھ سے کچھ نہ بن پڑے گا۔گو وعدہ کرنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں دیکھتا۔اس لیے کہ پورا نہ کرنے میں اب بے غیرتی کم محسوس کرنے لگا ہوں۔''۱۶

''اگر میں اتنا معذور نہ ہوتا تو آپ کی فرمائش ضرور پوری کرتا۔محبت اور شرافت کا تقاضا ہے کہ حتی الوسع عزیزوں اور دوستوں کا کہا مانا جائے۔لیکن اس کو کیا کہیے کہ محبت اور شرافت کے مطالبوں کو پورا کرنے کے لیے جس کاوش اور کوشش کی ضرورت ہے اس سے میں محروم ہوں۔''۱۷

'' مجھے اس امر کا احساس ہے کہ یہ کام مجھے ضرور کرنا چاہیے لیکن ایک نجی سانحے کی وجہ سے طبیعت پر بڑا اثر ہے۔کسی کام میں دل نہیں لگتا۔ ـــــ۔ممکن ہے کچھ دنوں بعد کچھ کر سکوں ـــــ۔فی الحال طالب عفو ہوں۔''۱۸

''مضمون وغیرہ لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔یہی صورت حال کیا کم تکلیف دہ ہے کہ دوستوں اور عزیزوں کی فرمائش نہ پوری کرنے پر اپنے اوپر نفریں کرنے کا فرض بھی ادا کرنا پڑے''۱۹

''طبیعت کا یہ حال ہے کہ اب ان مشاغل میں جی نہیں لگتا۔آپ سمجھتے ہوں گے کہ میرا عذر رسمی ہے۔یقین مانیے کہ یہ واقع نہیں ہے۔بار بار اور ہمیشہ اپنی معذوری کا حال سناتے رہنا بھی بدذوقی سمجھتا ہوں''۲۰

مذکورہ بالا مثالوں میں صرف عذر ہی بیان نہیں کیا گیا بلکہ مضمون نہ لکھ پانے پر جو شکایت اور گلہ دوسرے کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے اس کا جواب بھی خود دے کر شکایت گزار کو مطمئن کر دیتے تھے۔رشید احمد صدیقی مضمون لکھنا چاہتے تھے،مگر وہ خود کو دل جمعی کے ساتھ سوچنے اور لکھنے سے معذور خیال کرتے تھے۔بیماری اور نجی پریشانیوں کے باعث ان کا جی اچاٹ تھا۔مضامین کے دینے میں تاخیر کرنا یا معذرت کرنے کا رویہ فقط محمد طفیل کے ساتھ ہی روا نہ تھا بلکہ کئی دوستوں سے اس سلسلے میں عذر یا ٹال مٹول کیا کرتے تھے۔آل احمد سرور اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''میں نے رشید صاحب سے مضمون کی فرمائش کی وہ ٹال گئے۔''۲۱

رشید احمد صدیقی سے یقیناً بہت سے احباب مضمون کا تقاضا کرتے ہوں گے۔مضمون لکھنے کے لیے جس معیار کو رشید احمد صدیقی مدنظر رکھتے تھے اس کے مطابق آناً فاناً اور روز روز مضامین لکھتے چلے جانا امر محال تھا۔اس لیے وہ کسی اچھی تحریر کے تخلیق پا جانے تک ٹال مٹول سے کام لیتے تھے۔محمد طفیل نے رشید احمد صدیقی سے یہ گلہ کیا ہوگا کہ

آپ دوسرے رسائل کے لیے مضامین لکھتے ہیں اور نقوش کو نہیں نوازتے تو رشید احمد صدیقی جواب میں لکھتے ہیں:

''آپ نے میرے جن مضامین کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ بعض رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔ ان کا قصہ یہ ہے کہ وہ سب کی سب ریڈیو کی تقریریں ہیں۔بعض تو ایسی ہیں جو ایک سے زیادہ جگہ چھپ چکی ہیں۔آپ انہیں لے کر کیا کرتے'' ۲۲

گو کہ وہ شائع شدہ تحریروں کو دوبارہ شائع کرنے کے حق میں نہ تھے مگر بعض اوقات انتہائی مجبوری میں وہ ایسی تحریر بھی نقوش کو ارسال کر دیتے لیکن نظرِ ثانی کے بعد۔تاکہ تحریر میں اضافے اور ترمیم کی صورت میں کچھ نیا پن آ سکے۔اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''ایک اور تقریر ہے جو حال ہی میں ہوئی ہے۔اسے نظرِ ثانی کر کے بھیج دوں گا۔اس طرح کی تقریریں ادبی رسالوں میں بھیجنا اچھا نہیں معلوم ہوتا لیکن کیا کروں کچھ اور کر بھی تو نہیں پاتا'' ۲۳

ایک اور خط میں لکھتے ہیں کہ:

''بہت دن ہوئے ایک تحریکی فرمائش پر ان کو انٹر کالج میگزین کے لیے ایک مضمون ''دھوبی'' پر لکھ کر دیا تھا۔۔۔۔نظرِ ثانی کا موقع ملا تو وہ ضخامت میں بڑھ گیا اور بعض دوسرے اعتبار سے بہتر ہو گیا۔۔۔۔آپ اشاعت فرما سکیں تو بھجوا دوں'' ۲۴

رشید احمد صدیقی کی صحت زندگی کے کسی مرحلے میں قابلِ رشک نہ رہی تھی،جس کا اظہار انہوں نے دوستوں کے ساتھ کئی بار اپنے خطوں میں کیا۔وہ پیدائشی طور پر گردے کے مرض میں مبتلا تھے۔۱۹۳۰ء میں ایک گردہ نکال بھی دیا گیا۔اس کے علاوہ بھی کئی طرح کی تکالیف کا شکار رہے۔مثلاً اپنے ایک خط میں اقبال صدیقی کو لکھتے ہیں کہ:

''میرا حال ویسا ہی ہے جیسا اس عمر اور صحت میں ہونا چاہیے۔لیٹنے اور اٹھنے میں تھوڑی دیر کے لیے چکر آ جاتا ہے۔ایکسرے لیا تو معلوم ہوا کہ ریڑھ کی ہڈی جو گردن کے قریب ہوتی ہے وہ فرسودہ ہو کر چُرا سی گئی ہے۔۔۔۔بہر حال کس کس کی خبر لی جائے،آنکھ،کان،قلب،معدہ،سبھی اپنی اپنی جگہ معذور ہو رہے ہیں'' ۲۵

یہ خط تو ۱۹۷۵ء کا ہے دراصل ۱۹۳۰ء کے بعد وہ گردے کے علاوہ کئی دیگر عوارض میں بھی مبتلا رہے۔ گردے کے آپریشن کے بعد پٹھوں کی رگیں دب گئیں اور دوبارہ آپریشن کروانا پڑا۔بقول آلِ احمد سرور:

''رشید صاحب دو مہینے ہسپتال میں رہے۔۔۔۔۱۹۴۵ء کے شروع میں واپس آئے'' ۲۶

اس کے بعد رشید احمد صدیقی دل کے عارضے،آنکھوں کی تکلیف اور ہاتھوں میں رعشہ وغیرہ کی تکالیف میں بھی مبتلا رہے۔اور ان سب سے بڑھ کر وہ ذہنی اذیتیں،جو کہ علی گڑھ اور ملازمت کے علاوہ تنہائی سے متعلق بھی تھیں۔ان سب باتوں کی وجہ سے ممکن ہے۔کچھ لکھنے کو جی نہ چاہتا ہو اور جس کے لئے انہوں نے گاہے گاہے محمد طفیل سے معذرت بھی کی۔لیکن جب بھی طبیعت بحال ہوئی اور مزاج شگفتہ ہوا،تو انھوں نے نقوش کے لئے اپنی تازہ

تحریریں ارسال کیں۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ محمد طفیل کے نام کئی خطوں میں مضمون لکھنے اور اس کو ارسال کرنے کا مژدہ سنایا گیا مثلاً:

''مضمون میں زیادہ سے زیادہ ۲۔۳ دن اور لگیں گے۔ میں اسے ایکسپرس ڈلیوری سے جلد سے جلد بھیجنے کی کوشش کروں گا۔''۲۷

''چار دن میں مکمل کر کے ٹائپسٹ کو دے دوں گا اس میں شاید آٹھ دس دن لگ جائیں۔''۲۸

''رجسٹری کیلئے مضمون بھیج دیا گیا ہے''۲۹

''مضمون بذریعہ رجسٹری معمول ڈاک کے ۹ مئی کو بھیج دیا گیا''۳۰

رشید احمد صدیقی، محمد طفیل کے معیاری کام کو ہمیشہ سراہتے اور ان کی ان تھک محنت اور توجہ کی داد دیتے تھے۔ محمد طفیل سے ان کا محض ایڈیٹروں والا معاملہ نہ تھا بلکہ قلبی لگاؤ اور دوستانہ تعلقات استوار تھے، اسی لیے وہ نقوش میں اپنے مضامین کے لیے کسی قسم کے معاوضے کو روا نہ جانتے تھے۔ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''میں معاوضے کے لئے مضمون نہیں لکھتا۔ سرکاری اور تجارتی ادارے ہوں تو مضائقہ نہیں۔ لیکن عزیزوں اور دوستوں کا معاملہ بالکل علیحدہ ہے۔''۳۱

اور اس پر رشید احمد صدیقی کا یہ اصرار بھی کرتے کہ معاوضہ نہ لینے کے معاملے کا ذکر کسی اور سے نہ کیا جائے۔ احباب نے ان کی اس نیک صفتی کا بارہا تذکرہ کیا کہ وہ اپنی نیکی پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے جبکہ اس کے برعکس دوسرے کی برائی یا برے سلوک سے چشم پوشی کرتے اور اس کی بھلائی کا ذکر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ سید انعام احسن مارہروی موصوف کی اس خوبی کے متعلق لکھتے ہیں کہ رشید احمد صدیقی نے میرے والد کی سیرت پر دو تحریریں لکھیں۔ ان تحریروں میں وہ مقام اپنے عروج پر ہیں:

''جہاں والد مرحوم کی کمزوریوں کو حسن بنا دیا۔''۳۲

پروفیسر اسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں:

''میں نے ان کی زبان سے کبھی کسی کی برائی نہیں سنی''۳۳

رشید احمد صدیقی کے خطوط گونا گوں خصوصیات کے حامل ہیں۔ ان کے خطوں میں شخصیت اور مزاج کے اظہار کے ساتھ ساتھ ان کی ناقدانہ رائے کا اظہار بھی ملتا ہے۔ وہ ''نقوش'' کے کم وبیش ہر شمارے کے معیار کی داد دیتے اور طفیل صاحب کا حوصلہ بڑھانے کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں اصلاحِ تنقید سے بھی کام لیتے تھے۔ مگر اس صورت میں بھی اسلوب تلخ اور ترش نہ ہونے دیتے۔ مثلاً ۱۹۵۶ء کے ایک خط میں شخصیات کے نقوش نمبر (۲) کو اعلیٰ کارنامہ قرار دیا۔ لیکن نہایت سلیقے سے خط کی آخری سطروں کو اس تنقید پر مکمل کیا کہ:

''بعض شخصیتوں کے بارے میں لکھنے والوں نے زیادہ خوش عقیدگی سے کام لیا ہے۔ لیکن یہ وہ بات ہے جو وہ خود نہیں محسوس کر سکتے۔ دوسرے ہی ان کو بتا سکتے تھے۔ بہر حال ہمارے ہاں ایک

''کتاب المناقب'' کی بھی ضرورت تھی۔ ''کتاب المناقب'' کا لطیفہ تو آپ کا معلوم ہی ہوگا'' ۳۴

ایسے رمز و کنائے سے پوری بات کہہ دینا رشید صاحب کے اسلوب کا خاصا ہے۔ ان کے بظاہر سادہ اور لطیف جملوں کہ تہہ میں گہرا طنز پوشیدہ ہوتا ہے مگر ان کا اسلوب اسکی تلخی کو گہرا نہیں ہونے دیتا۔ ذیل کے نمونے میں اسلوب کی کاری گری ملاحظہ فرمایئے کہ کیسی سہولت کے ساتھ اپنی ناقدانہ رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک اور خط میں شوکت تھانوی کے مضمون پر رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''افسانہ نمبر میں شوکت تھانوی صاحب کا مضمون خوب ہے، اگر ذرا اور محنت سے لکھتے تو نادر چیز ہوتی۔ میں ان کی ذہانت وفطانت کا قائل ہوں۔ کاش وہ تھوڑی سی ریاضت کے بھی قائل ہو جائیں۔'' ۳۵

ایک اور خط میں اہل قلم کے رویوں اور بحث کے انداز کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''پروفیسر فراق کے مضمون اسلامی ادب پر، دوسرے مضامین کا سلسلہ بڑا دلچسپ اور مفید ہے۔ خدا کرے بحث کا یہی لب ولہجہ اور سطح قائم رہے۔'' ۳۶

ناقدین اور شاعروں کے معیار اور مرتبے کے متعلق لکھتے ہیں:

''نقاد کو مصنف سے اونچا ہو کر لکھنا چاہیے۔ نیچا ہو کر نہیں۔'' ۳۷

''آج کل رسائل میں اور ادھر ادھر مستند شعرا کا بھی کلام دیکھ کر ذہن میں یہی بات آتی ہے یا تو کہنا ہی نہیں آتا اور کچھ کہنے کو نہیں ہے، یا پھر محنت سے بچتے ہیں۔'' ۳۸

رشید احمد صدیقی رسالہ نقوش کی بہتر کارگردگی کے لیے کئی اوقات محمد طفیل کو مشورے بھی دیتے، ایک خط میں لکھتے ہیں:

''یہ نمبر ضخیم زیادہ ہو گیا۔ دو تین جلدوں میں تقسیم کر دیا جاتا تو شاید بہتر ہوتا۔'' ۳۹

''نقوش'' کے لاہور نمبر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''لاہور نمبر کی ساری تصاویر دیکھ لیں۔ اور خوش ہوا وہاں کی ....عمارتوں اور مناظر کے علاوہ مشہور شخصیتوں کی تصاویر بھی شائع کر دی ہوتیں تو اور اچھا ہوتا۔۔۔۔۔۔ اس میں شک نہیں کہ کام بہت پھیل جاتا اور اخراجات بھی کافی بڑھ جاتے۔ کبھی ممکن ہوا تو اس نمبر کا ضمیمہ بھی شائع کر دیجیے گا۔ جس میں لاہور اور اس کے مضافات کے مخصوص عوامی زندگی کے مختلف مناظر ہوں۔ اس سے آپ کا یہ نمبر جگمگانے لگے گا۔ یہ ایک بات ذہن میں آئی ہے جو عرض کر دی کچھ ضروری نہیں ہے کہ آپ اس پر عمل بھی کرنے لگیں۔'' ۴۰

غور کیجیے مشورہ دینے کا کیا مخلصانہ انداز ہے کہ جس میں عمل درآمد نہ کرنے کی پوری پوری گنجائش اور چھوٹ دی گئی ہے۔ رشید احمد صدیقی اور محمد طفیل کے درمیان کتب ورسائل کے لین دین کے معاملات بھی خطوط کا

حصہ رہے۔اپنے ایک خط میں رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''پاکستان میں ۱۸۵۷ء کے حادثہ پر اردو کے جتنے رسالوں نے مخصوص نمبر شائع کیے ہیں یا اس موضوع پر متفرق طور پر،اس دوران میں جتنے بھی مستند مضامین اردو میں شائع ہوئے ہوں ان کو میرے لیے فراہم کردیں۔''[۴۱]

خطوں کے متن سے پتا چلتا ہے کہ رشید احمد صدیقی اور محمد طفیل کے درمیان بہترین دوستانہ تعلقات قائم تھے۔رشید احمد صدیقی کے ایک خط کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رشید احمد صدیقی کو لاہور میں کچھ کام تھا۔انہوں نے وہ کام محمد طفیل سے کہنے کے بجائے کسی اور سے کہہ دیا جس پر یقیناً محمد طفیل نے ناراضی کا اظہار کیا اور یہ کہا کہ ان کے ہوتے ہوئے لاہور میں کسی اور کو اپنا کام کرنے کو کیوں کہا؟ ان کو اس قابل کیوں نہ سمجھا گیا؟ رشید احمد صدیقی نے اس شکایت کو اپنے اچھوتے انداز سے نہ صرف رفع کر دیا بلکہ خود بھی صاف بچ نکلے۔رشید احمد صدیقی نے خط میں محمد طفیل کا جملہ نقل کرنے کے بعد اپنی دلیل پیش کی۔ملاحظہ کیجیے:

''اگر آپ کو لاہور میں کوئی کام تھا تو آپ نے میرے علاوہ کسی اور کو کیوں لکھا۔کیا میں مر گیا تھا؟

۔۔۔۔۔۔'' آپ نے بات تو بڑی حق بجانب برہمی سے کہی ہے لیکن اس نکتے کو نظر انداز کر گئے کہ یہ بھی تو دیکھنا تھا کہ لاہور میں کون کون مر گئے۔''[۴۲]

انداز بیاں کی یہ لطافت ہر اس خط میں جلوہ گر ہے جہاں اس کی ذرا سی بھی گنجائش موجود تھی۔لطافت کے اس انداز نے ان خطوط کو ہر قاری کے لیے دلچسپی کا نمونہ بنا دیا۔غالب کے خطوط کی طرح یہ بھی اپنے اسلوب کی وجہ سے بہترین نثر کا نمونہ بن گئے ہیں۔رشید احمد صدیقی اسلوب کی اس دلچسپی کو رعایت لفظی تشبیہات وتلمیحات،استعارات، مترادفات،قول محال،صفت تضاد،موزانہ وتقابل،تکرار لفظی،اشعار ومصرعوں کے برمحل استعمال سے برقرار رکھتے ہیں۔یہ تمام صفات خطوں کے مقصد،تاثیر اور حسن کو توازن سے برقرار رکھتی ہیں۔ان صفات کے سبب ابلاغ کی خوبی بڑھ جاتی ہے اور خط بالمشافہ گفتگو کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ایسی کثیر مثالوں میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں:

''آپ یقین مانیے اپنے علاوہ جس شریف آدمی کو پاتا ہوں اس کہتا ضرور ہوں کہ وہ نقوش کے لئے کچھ لکھ دے۔''[۴۳]

''آخر میں دعا کرتا ہوں کہ آپ نے ان نمبروں پر جتنا روپیہ صرف کیا ہے وہ کافی نفع کے ساتھ آپ کو جلد واپس مل جائے۔'' کافی نفع'' کا تصور مہاجنی بھی ہوسکتا ہے اور اسلامی بھی۔یہ آپ پر موقوف ہے جس پر چاہیں آمین کہہ دیں۔''[۴۴]

''پاکستان میں کوئی اور ایسا نظر نہ آیا جو یہ کام میرے لیے خوشی سے کرتا اس لیے آپ کو تکلیف دیتا ہوں،شریف اور سعادت مند ہونا بھی خطرے سے خالی نہیں۔''[۴۵]

''جگر صاحب کی خدمت میں مرا سلام نیاز پہنچایئے۔گھر کے چھوٹے بڑوں کا بھی۔جو ان کا ذکر

آتے ہی اس طرح مسرور ہوتے ہیں جیسے جگر صاحب ان کا کوئی کارنامہ ہوں۔''۴۶

''جب کبھی نقوش ملتا ہے تو آپ کی محبت اور اپنی بے غیرتی یاد آجاتی ہے۔''۴۷

''ایڈیٹر۔۔۔اور خواتین کسی ایسے عذر کو قابل اعتنا نہیں سمجھتی جو ان کی مرضی یا مفاد کے مطابق نہ ہو۔''۴۸

''میرا خیال ہے کہ اوسط مصروفیت کے آدمی نقوش کا ایک شمارہ اتنے دنوں میں پڑھ نہ پائے گا جتنے دنوں میں ہندوستان اور پاکستان نے اپنی جنگ ختم کر لی۔''۴۹

''جتنا آپ میرا خیال کرتے ہیں اس کی عشر عشیر خدمت میں آپ کے نقوش کی نہیں کر پاتا اس کی سزا مجھے اور جزا آپ کو عاقبت میں ملے گی۔ یہاں تو اس کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔''۵۰

''۔۔۔اچھا ہوں۔لیکن اتنا ہی کہ اپنے کو سنبھال رکھوں، دوسرے کے کام نہ آسکوں، سوائے زبانی جمع خرچ کے''۵۱

''میرا مشورہ ہے کہ آپ ارباب قضا و قدر سے تجدید معاہدہ کریں اور شرط یہ ہو کہ جب تک آپ نقوش کا ایک ''اللہ نمبر'' بھی نکال نہ لیں آپ کو جوں کا توں اور جہاں کا تہاں رہنے دیا جائے۔ یوں بھی یہ نمبر اس لیے ضروری ہے کہ سب جان جائیں کہ روز اوّل سے آج تک اللہ تعالی کا ہمارے بارے میں کیا خیال اور سلوک رہا ہے اور ہم دونوں نے دنیا کے ساتھ کیا سلوک کیا۔۔۔الف لیلیٰ کی ہیروئن نے ناتمام قصے کہہ کہہ کر اپنی جان بچا لی۔۔۔۔آپ اللہ تعالی اور اس کے بندوں کے قصے (عہد بعد کے) سنا کر اپنی بھی جان بچا لیں تو کیا عجیب۔۔۔۔اس طرح کوئی اور خوشی ہو یا نہ ہو آپ کے دشمن کڑھیں گے۔آپ کی عمر طویل ہوگئی اور نقوش کا نمبر ضخیم سے ضخیم تر۔سودا برا نہیں ہے۔کر ڈالیئے۔''۵۲

دیگر موضوعات کے علاوہ رشید احمد صدیقی کے خطوط میں دو چار جگہ ہندوستان اور پاکستان کے معاملات اور مشکلات پر بھی احتیاط کے ساتھ بات کی گئی ہے۔علی گڑھ کا ذکر بھی دو ایک خطوں میں نہایت محبت اور اپنائیت سے کیا گیا ہے۔موضوع کوئی بھی ہو رشید احمد صدیقی کے پاس الفاظ کا وسیع ذخیرہ اور انداز بیاں کی رنگا رنگی کی کچھ کمی نہیں۔وہ ایک ہی بات کو ہر بار دلچسپ انداز سے بیان کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔یکسانیت اور جملوں کی تکرار ان کے ہاں دکھائی نہیں دیتی۔خطوط متانت اور اختصار کا بے مثال نمونہ نظر آتے ہیں۔طنزیہ جملوں میں بھی ایسا خلوص اور اسلوب کارفرما ہوتا ہے کہ صاحب طنز بھی جملے کا لطف اٹھاتا ہے،طنز کے باوجود جملے کی جاذبیت اور لطافت کم نہیں ہونے پاتی۔خطوط کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ رشید احمد صدیقی شکریہ،معذرت،مبارک باد کہنا کبھی نہ بھولتے اور اگر بھول جاتے تو اعتراف ضرور کرتے۔وہ اپنی ستائش سے دامن بچاتے مگر دوسروں کی تعریف دل کھول کر تے تھے۔اسلوب کے اختصار میں بیان کی سادگی اور قطعیت کا عنصر غالب ہے۔جو بات دو لفظوں میں ہو سکتی ہے اس کو دو

ہی لفظوں میں مکمل کرتے۔ چند ایک کو چھوڑ کر طفیل صاحب کے ہر خط پر ''پرسنل'' کا لفظ درج ہوتا شاید اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ خط کو دو لوگوں کا درمیانی معاملہ سمجھتے تھے۔ وہ خطوں کی اشاعت کے قائل نہ تھے اس لیے خود بھی دوسروں کے خطوط سنبھال کر نہیں رکھتے تھے بالکہ انہیں تلف کر دینا بہتر سمجھتے تھے۔ انھوں نے ذاتی زندگی کے حوالے سے اپنی بیماری اور بے دلی کا ذکر خطوں میں کیا ہے مگر نجی واقعات کے جن کے سبب وہ بے دلی کا شکار تھے ان کا بیان ان خطوں میں نہیں ملتا۔ خطوط کے مطالعے سے رشید احمد صدیقی اور محمد طفیل کے باہمی تعلقات کی وضاحت ہوتی ہے۔ یہ خطوط اشاعت کے بعد رشید احمد صدیقی کی سوانح اور اسلوب کے حوالے سے کئی طرح سے مدگار ثابت ہو سکتے ہیں اور رشید شناسی کے مرحلوں کو آسان کر سکتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ امتیاز علی خان عرشی، (بحوالہ) رشید احمد صدیقی آثار و اقدار، مرتب: اصغر عباس، (علی گڑھ: شعبۂ اُردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۸۴ء)، ص: ۲۷

۲۔ رشید احمد صدیقی: (بحوالہ) مکاتیب رشید احمد صدیقی، مقالہ نگار: عرفان ظفر، (مقالہ برائے ایم اے، پنجاب یونیورسٹی)، ص: ۲۷

۳۔ ایضاً، ص: ۱۵۳

۴۔ ایضاً، ص: ۱۶۰

۵۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۷ فروری ۱۹۵۱ء، مخزونہ: نقوش ریسرچ سینٹر، جی۔ سی یونیورسٹی، لاہور

۶۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۵۷ء

۷۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۷ فروری ۱۹۵۱ء

۸۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۲ء

۹۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۵۹ء

۱۰۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۲ ااکتوبر ۱۹۵۶ء

۱۱۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۲ جون ۱۹۵۷ء

۱۲۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۲ ااکتوبر ۱۹۵۶ء

۱۳۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۷ فروری ۱۹۵۱ء

۱۴۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۲ء

۱۵۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۵۴ء

۱۶۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۵۷ء
۱۷۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۹ جولائی ۱۹۵۸ء
۱۸۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۵۹ء
۱۹۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۶ جولائی ۱۹۵۹ء
۱۰۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۷ فروری ۱۹۶۳ء
۲۱۔ رشید احمد صدیقی،آثــار و اقـدار ،مرتب:اصغر عباس،(علی گڑھ:شعبۂ اُردو،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۸۴ء)،ص:۴۵
۲۲۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۱۲۲ کتوبر ۱۹۵۲ء
۲۳۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۱۲۸ گست ۱۹۵۳ء
۲۴۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۶۳ء
۲۵۔ رشید احمد صدیقی:(بحوالہ)مکاتیب رشید احمد صدیقی،ص:۱۵
۲۶۔ رشید احمد صدیقی،آثار و اقدار،مرتب:اصغر عباس،ص:۴۴
۲۷۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۴ء
۲۸۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۶ جولائی ۱۹۵۹ء
۲۹۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۹ مئی ۱۹۶۳ء
۳۰۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۶۳ء
۳۱۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۸ مارچ ۱۹۵۵ء
۳۲۔ رشید احمد صدیقی،آثار و اقدار،مرتب:اصغر عباس،ص:۶۱
۳۳۔ ایضاً،ص:۸۱
۳۴۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۱۱۲ کتوبر ۱۹۵۶ء
۳۵۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۱۲۲ کتوبر ۱۹۵۲ء
۳۶۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۱۲۸ گست ۱۹۵۳ء
۳۷۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۱۲۲ کتوبر ۱۹۵۲ء
۳۸۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۱۲۶ کتوبر ۱۹۶۲ء
۳۹۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۱۲ اپریل ۱۹۶۰ء
۴۰۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۶۲ء
۴۱۔ رشید احمد صدیقی،خط بنام محمد طفیل،مورخہ ۱۲ جون ۱۹۵۷ء

۴۲۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۰ستمبر ۱۹۵۹ء
۴۳۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۵۴ء
۴۴۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۲ااکتوبر ۱۹۵۶ء
۴۵۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۲اجون ۱۹۵۷ء
۴۶۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۲۴دسمبر ۱۹۵۷ء
۴۷۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۶/ ۱۷مئی ۱۹۶۵ء
۴۸۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۶/ ۱۷مئی ۱۹۶۵ء
۴۹۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۶۶ء
۵۰۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۶۶ء
۵۱۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۹ااگست ۱۹۶۶ء
۵۲۔ رشید احمد صدیقی، خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۲۹مئی ۱۹۶۸ء

مآخذ:

۱۔ امتیاز علی خان عرشی، (بحوالہ) رشید احمد صدیقی آثار و اقدار، مرتب: اصغر عباس، علی گڑھ: شعبۂ اُردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۸۴ء۔

۲۔ رشید احمد صدیقی: (بحوالہ) مکاتیب رشید احمد صدیقی، مقالہ نگار: عرفان ظفر، مقالہ برائے ایم اے، پنجاب یونیورسٹی۔

☆☆☆